سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی صحت کے متعلق تازہ اطلاع

— محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب —

ربوہ، ۱۹ نومبر بوقت ۸ بجے صبح

کل حضور کو دوپہر کے وقت کچھ بے چینی کی تکلیف ہوگئی۔ رات بھی بے چینی رہی دو دفعہ اسہال بھی ہوئے۔ اس وقت بھی کسی قدر بے چینی کی تکلیف ہے۔

احباب جماعت خاص توجہ اور التزام سے دعائیں کرتے رہیں کہ مولیٰ کریم اپنے فضل سے حضور کو صحتِ کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ آمین اللّٰھم آمین

حضرت سیدہ ام وسیم احمد صاحبہ کی علالت

ربوہ ۱۹ نومبر۔ حضرت سیدہ ام وسیم احمد صاحبہ کو پرسوں بخار ۱۰۳ تک رہا جو کل ۱۰۲ تک آگیا۔ بیماری Acute Bronchitis تشخیص ہوئی ہے۔ جس کے ساتھ دل پر بھی کافی اثر ہے۔ ضعف کے دورے پڑتے ہیں۔ اور سانس کی تنگی کی بھی زیادہ تکلیف ہے

احباب جماعت توجہ اور التزام سے صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے دعائیں کریں۔

ایک عظیم الشان آسمانی بشارت

”تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی“

”خدا تیرے نام کو اُس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا“

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک عظیم الشان بشارت دی اور آپ کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

”تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اُس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔“ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفضل دارالرحمت غربی ربوہ سے شائع کیا

کلام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہائے وہ سر جو رہِ یار میں قربان نہ ہو
وائے وہ سینہ کہ جو عشق میں بریان نہ ہو

حیف اس رُوح پہ جو مستِ رُخِ یار نہیں
تف ہے اس آنکھ پہ جو شوق میں گریان نہ ہو

دل یہ کہتا ہے اسی در پہ رَما دے دھونی
نفس کہتا ہے کہ اُٹھ مُفت میں ہلکان نہ ہو

زندگی ہیچ ہے انسان کی دُنیا میں اگر
سینہ میں قلب نہ ہو قلب میں ایمان نہ ہو

آدمی وادیٔ ظُلمت میں بھٹکتا مر جائے
رہنمائی کا اگر عرش سے سامان نہ ہو

ہاتھ گر کام میں ہو دل میں ہو ربِّ ارباب
کوئی مشکل نہیں دُنیا میں کہ آسان نہ ہو

واعظا شرم سے مرجانے کی جا ہے صد حیف
لب پہ قرآن ہو پر سینہ میں قرآن نہ ہو

نخلِ ایمان پنپنے کا نہیں زاہد خشک
سینچنے کو اسے گر چشمۂ ایمان نہ ہو

چھوڑ کر راہِ خدا راہِ بتاں پر مت جا
عقل دی ہے تجھے اللہ نے نادان نہ ہو

نسلِ آدمؑ ہے تُو ابلیس کے پیچھے مت چل
بندہ رحمان کا بن بندۂ شیطان نہ ہو

رحم کر ظُلم نہ ڈھا آہِ غریباں سے ڈر
کام وہ کر کہ جسے کر کے پشیمان نہ ہو

غیر ممکن ہے کٹے راہِ طریقت جب تک
جامِ اعمال نہ ہو بادۂ ایمان نہ ہو

سر میں ہو جوشِ جنوں دل میں ہو عشقِ محبوب
خوفِ دوزخ نہ رہے خواہشِ رضوان نہ ہو

اب تو خواہش ہے وہاں جا کے لگائیں ڈیرا
دیکھنے کو بھی جہاں صورتِ انسان نہ ہو

دل میں اِک آگ ہے اور سینہ مرا غم سے تپاں
وائے قسمت اگر اس درد کا درمان نہ ہو

ہوں گنہگار و لے ہوں تو ترا ہی بندہ
مجھ سے ناراض ترے صدقہ مری جان نہ ہو

یاس اِک زہر ہے بچ اس سے بشیرِ عاصی
فضل ہو جائے گا اللہ کا پریشان نہ ہو

روزنامہ
الفضل
مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء

اسلام اور شاعری

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر شاعر ہونے کا بھی الزام لگاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کریم کی آیات میں جو بے پناہ تاثیر ہے وہ آپ کے شاعرانہ کمال کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پُر زور الفاظ میں اس کی نفی فرمائی ہے بلکہ سورۂ شعرا میں مخالفین کا شاعر کے متعلق جو تصور تھا اس کی کھلی کھلی مذمت کی ہے۔ اور ان کے متعلق کہا ہے کہ یہیمون فی کل وادٍ یعنی یہ شاعر لوگ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر تقویٰ نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی اصول کے پابند نہیں ہوتے نہ کسی اخلاقی سلسلہ سے منسلک ہوتے ہیں جدھر مونہہ اُٹھتا ہے چلتے چلے جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو صرف شاعری کو پوجتے ہیں اور جو اپنے تخیل کی رنگینیوں میں گم رہتے ہیں ان کا کلام کسی اخلاق کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اکثر شعرا کی یہی حالت ہوتی ہے تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شعر کہنا فی الحقیقت قابلِ نفرت چیز ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالےٰ نے جہاں ایسے شعرا کی مذمت کی ہے وہاں استثناء بھی بیان کر دی ہے یعنی

الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیراً وّانتصروا من بعد ما ظلموا (شعراء ۲۲۷)

یعنی ان شاعروں کے سوا جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لاتے ہیں اور کثرت سے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ظالموں کے ظلم کا جواب دیتے ہیں۔

اس طرح اللہ تعالےٰ نے در اصل شعر کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ ان شاعروں کی مذمت کی ہے جو خیالی باتوں میں تضیع اوقات کرتے ہیں بلکہ اکثر ایسی بے سروپا باتیں کرتے ہیں جس سے معاشرہ میں فسق و فجور کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایسے شاعر بے شک قابل مذمت ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ ایسے شاعر حقیقت میں انسانیت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ برائیوں کے ان راستوں کو گوارا بناتے ہیں جن پر لوگ پھسل جاتے ہیں اور نارِ جہنّم کا ایندھن بنتے ہیں۔

خدا تعالےٰ کے فضل سے اسلام نے ایسے ایسے عظیم شعراء بھی پیدا کئے ہیں جو متقی ہیں جو صاحب ایمان ہیں اور اعمال صالحہ کے مجسّمہ ہیں جنہوں نے شعر میں علوم الٰہیہ کے دریائے آبدار کی لڑیاں پروئی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے شاعری کا رُخ ہی بدل دیا ہے کہاں زمانہ جاہلیت کی شاعری کہ سوا تعلّیوں اور فحش نگاریوں کے اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا اور کہاں وہ مسلمان شعراء جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اسلام کی ترجمانی کی ہے جیسے مولانا رومؒ، مولانا جامیؒ، شیخ سعدیؒ وغیرہم۔

اللہ تعالےٰ نے سورہ شعراء میں حقیقی شاعری کا معیار رکھا ہے جو شاعر اس معیار پر پورے اُترتے ہیں وہ واقعی انسانیت کے خیر خواہ اور محسن ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی اس نعمت کو ضائع نہیں کیا۔ اور نہ اس کو بُری اغراض کے لئے استعمال کیا ہے بلکہ انہوں نے اس طرح دین کو مقبول بنانے میں مدد دی ہے اور خدا کی راہ میں راہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی چند نظمیں کہی ہیں۔ ہم ایک نمونہ اسی صفحہ پر پیش کر رہے ہیں جس سے اس مردِ مؤمن کے رُوح و قلب پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابّا جانؓ کی زندگی کے بعض نمایاں شمائل کا ذکر

اور

آخری علالت کے حالات

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ

میری طبیعت میں ابھی پورا سکون نہیں کہ کچھ زیادہ لکھ سکوں۔ لیکن بعض احباب کی خواہش پر اور پھر اس خیال سے کہ حضرت ابا جان رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری کے حالات جلد تحریر میں آجائیں۔ یہ چند سطور لکھنے بیٹھا ہوں۔ یہ بھی خیال ہے کہ اس مضمون میں آپ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کا بھی کچھ تذکرہ آجائے۔

آخری علالت

ابا جان کی آخری بیماری کا آغاز گزشتہ جون میں ہوا۔ جب ربوہ میں آپ نے نگران بورڈ کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی۔ طبیعت پہلے سے خراب تھی لیکن آپ نے ہمیشہ دین کے کام کو ہر چیز پر ترجیح دی اور مقدم رکھا اور اسی جذبہ سے اس اجلاس میں شرکت کی اور باوجود ناسازیٔ طبع اور کمزوری کے کئی گھنٹے تک اجلاس کو جاری رکھا تا اکٹھا ہوا ہوا کام ختم ہو جائے۔ اصل میں چند سال ہوئے ابا جان کو Heat stroke ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد ہر موسم گرما میں ربوہ کی شدید گرمی میں یہ تکلیف کسی نہ کسی رنگ میں ابھر آتی تھی۔ اس اجلاس میں شرکت کے بعد پھر آپ کی طبیعت پوری طرح وفات تک نہ سنبھلی۔

جون کے مہینہ میں میں اکثر ٹیلیفون پر طبیعت پوچھتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے تکلیف نہ ہو یا میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یہی فرماتے تھے کہ طبیعت اچھی تو نہیں لیکن گھبراؤ نہ۔ اس کے باوجود احتیاطاً میں نے لاہور سے ڈاکٹروں کو ربوہ جانے کا انتظام کیا۔ Examination میں پہلی بیماریوں یعنی دل کی تکلیف ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے علاوہ ڈاکٹروں نے یہ بھی تشخیص بھی کی کہ Prostate کی تکلیف پیدا ہوتی معلوم دیتی ہے جس کا علاج اپریشن ہے۔ جو ابا جان کی باقی بیماریوں اور کمزوری کے مدنظر مشکل تھا۔ یہ تشخیص مزید فکر کا باعث ہوئی اور یہی فیصلہ ہوا کہ مہینے کے آخر میں آپ لاہور تشریف لے جائیں تا علاج کے بارہ میں مشورہ ہو سکے۔ اور اس کے مطابق انتظام کیا جا سکے۔

چنانچہ جون کے آخر میں آپ لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں ہسپتال میں ایک کمرہ کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ لاہور میں بعض Tests لئے گئے اور ڈاکٹری مشورہ سے پتہ چلا کہ فی الحال اپریشن کی کوئی فوری ضرورت نہیں اور اس تکلیف میں باقی علاج سے افاقہ بھی ہوا۔ لیکن طبیعت پوری طرح نہ سنبھلی۔

اپنی وفات کے متعلق خوابیں

چند ماہ سے ابا جان کو متعدد منذر خوابیں اپنی وفات کے متعلق آرہی تھیں۔ جن سے ان کی طبیعت پر یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے۔ اس کا پہلا اشارہ مجھے عید کے موقعہ پر شروع مئی میں کیا۔ جبکہ میں واپس راولپنڈی کے لئے رخصت ہو رہا تھا فرمانے لگے کہ

"مجھے کچھ عرصہ سے بعض منذر خوابیں آرہی ہیں تم بھی دعا کرنا"۔
اور حسب معمول رخصت کرتے وقت فرمایا "اللہ حافظ و ناصر ہو"۔

یہ خوابوں کا سلسلہ لاہور میں بھی جاری رہا۔ اور میرے علاوہ دوسرے ملنے والوں سے بھی ان کا ذکر کیا۔ گو تفصیل نہیں بتلاتے تھے نہ ہم میں اس کے دریافت کی ہمت

پڑتی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ابا جان کی بیماری کی تشویشناک صورت دل اور (Blood pressure) کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اور یہ دونوں بیماریاں خدا کے فضل سے کنٹرول میں تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے عرض بھی کیا کہ ڈاکٹر تسلی دلاتے ہیں اور کہتے ہیں اصل بیماریاں کنٹرول میں ہیں اور باقی شدید بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی ہیں۔ جو انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی میرے یہ کہنے پر فرمایا۔ "ڈاکٹروں کی رائے پر نہ جانا"۔

ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ روز تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے ابا جان گھوڑا گلی تشریف لے جائیں جہاں موسم بھی خوشگوار ہوگا اور جس کی بلندی بھی اتنی نہیں جو کہ ایک دل کے مریض کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔ چنانچہ وسط اگست میں آپ لاہور سے روانہ ہو کر راستہ میں جہلم کچھ وقت قیام فرما کر شام کے قریب ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ اگلے روز صبح گھوڑا گلی تشریف لے گئے۔ اس سفر میں ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب اور میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا منیر احمد ساتھ تھے۔ ہفتہ کے روز ہم بھی چلے گئے۔ اور ڈاکٹر صاحب دو تین دن قیام فرمانے کے بعد میرے ساتھ ہی واپس آگئے۔ ڈاکٹر کا انتظام سالمی سینی ٹوریم لوئر مری سے کر لیا تھا کہ ضرورت کے وقت وہاں سے آسکیں۔ گھوڑا گلی میں پہلے دو تین روز آپ کی طبیعت خاصی اچھی ہو گئی۔ لیکن وہاں پھر پہلے کی طرح اپنے متعلق منذر خواب دیکھی اور اسی وجہ سے مقررہ پروگرام سے پہلے لاہور واپس تشریف لے گئے۔

لاہور میں واپسی پر بھی منذر خوابوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ۲۴ اگست کے قریب جب میں لاہور گیا تو فرمانے لگے۔ کہ "اب تو چل چلاؤ ہے"۔ خوابوں کی تفصیل نہیں بتلاتے تھے۔ گھوڑا گلی میں میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ امۃ اللطیف بیگم نے جب اس بارے میں کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو فرمانے لگے۔

"تم بچے ہو میں تفصیل نہیں بتلاتا تم لوگ گھبرا جاؤ گے"۔

ایک چیز جس کا بالوضاحت اپنے ایک خط میں ایک بزرگ کے نام ذکر فرمایا وہ یہ تھی کہ فرمایا میری زبان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر جاری ہوا ہے

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے
آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

ان خوابوں کی وجہ سے بہرحال آپ کی طبیعت پر یہ گمان بہت غالب تھا بلکہ یقین کی حد تک پہونچ چکا تھا کہ آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ خود ماہ جون کے آخر میں ربوہ سے روانگی کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے لئے علیحدہ رقم گھر دے دی۔ پھر لاہور سے مزید رقم یہ کہہ کر والدہ کو ارسال کی کہ میری وفات پر دوست آئیں گے۔ گھر کے عام خرچ سے زیادہ اخراجات ان دنوں ہوں گے۔ اس لئے بھجوا رہا ہوں۔ ایک روز ایک خط بھی اپنے خادم بشیر احمد سے لکھوا کر بھیجا۔ جو ایک قسم کا الوداعی خط تھا۔ اسی طرح ایک بیرون از پاکستان کے خط کے جواب میں لکھوایا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ لوگ اکتوبر میں پاکستان آئیں گے۔ لیکن اکتوبر میں تو میں یہاں نہیں ہوں گا۔ کچھ اس قسم کے الفاظ تھے۔

بیماری کے بارے میں ڈاکٹروں کی رائے

یہ ایک عجیب بات تھی کہ ادھر آپ اپنی وفات کی طرف بار بار اشارہ کرتے تھے۔

اور احباب سے بھی ذکر فرماتے تھے۔ مگر دوسری طرف ڈاکٹروں کی رائے میں اس قسم کا فوری خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ یہی خیال تھا کہ اصل خطرے والی بیماریاں کنٹرول میں ہیں۔ اور شاید گھبراہٹ اور بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی ثابت ہوں۔ انہی دنوں ایک انگلستان کے ماہر ڈاکٹر نے دو جوان دنوں پاکستان سے گزرتا ہوا آسٹریلیا جا رہا تھا۔ اس نے ابا جان کو دیکھا اور اپنے ڈاکٹروں کی موجودگی میں کہا کہ میری رائے میں جو دوائیاں میں نے تجویز کی ہیں۔ ان کے استعمال سے دو ہفتہ میں خاصہ افاقہ ہو جائیگا۔ اور ۶ ہفتہ کے اندر اپنا معمول کا کام کر سکیں گے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ مزید کئی سال تک باحیات نہ رہیں۔ ابا جان کو دیکھ کر ایک اور بات اس نے کہی جو احباب کی دلچسپی کے لئے لکھتا ہوں۔ ابا جان کو دیکھ کر ساتھ والے کمرہ میں آیا اور کہنے لگا۔

He looks like a Biblical Prophet

ترجمہ۔ آپ تورات میں مذکور انبیاء کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس کی طبی رائے سے میری طبیعت کچھ اور مطمئن ہو گئی۔ یہ تاریخ ۲۶ یا ۲۷ر اگست کا دن تھا۔ لیکن اگلے چند روز نے ثابت کر دیا کہ بات وہی درست تھی جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ آپ کو خوابوں کے ذریعہ دے چکا تھا۔ اس طبی معائنہ کے ایک ہفتہ کے اندر نمونیہ کا حملہ ہوا اور ڈاکٹروں کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ ایک رات بخار ۱۰۷ ڈگری سے بھی اوپر چلا گیا۔ اس کے بعد آخری دو تین روز اکثر وقت غنودگی میں گزرا۔ اس حالت میں آپ کی زبان پر اکثر دعائیہ فقرات جاری تھے۔ میری بیوی بتلاتی ہیں کہ کوئی کوئی لفظ سمجھ آتا تھا جیسے "ربنا" یا ایک لفظ "طیّب" کا انہیں دھیما سا سنائی دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک وقت میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی میں جیسے کسی سے لمبی گفتگو کر رہے ہیں۔

میری آخری ملاقات

مجھ سے آخری ملاقات غنودگی سے پہلے ۳۰، ۳۱ر اگست کو ہوئی۔ میں بیماری کی شدت کا سنکر فوراً چند گھنٹوں میں لاہور پہونچ گیا۔ سیدھا ابا جان کے کمرے میں گیا لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ "مظفر تم آگئے۔" یہ فقرہ ایسے رنگ میں کہا جیسے کسی کو انتظار رہتا۔ اس فقرہ میں ایک عجیب اطمینان اور سکون تھا۔ جس سے مجھے کچھ گھبراہٹ ہوئی۔ میں ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بیٹھ گیا۔ پھر فرمانے لگے۔ "کراچی کب جا رہے ہو۔" میرا کراچی جانے کا اس بیماری کی شدت سے پہلے کا پروگرام تھا۔ میں نے کہا اب تو میں نہیں جا رہا۔ فرمانے لگے۔ "یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔" اور اسی فقرہ کو دوبارہ دہرایا کہ "یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔" اس کے بعد میں نے کھانے کے لئے عرض کیا فرمانے لگے مجھے بھوک نہیں۔ میں نے کہا آپ کو دوائی دینی ہے خالی پیٹ ٹھیک نہیں رہے گی کچھ کھا لیں۔ اس پر تیار ہو گئے۔ سہارے سے بٹھایا اور اسی کیفیت میں سہارے سے بٹھائے رکھا۔ کیونکہ لیٹ کر کھانا کھانا پسند نہ فرماتے تھے۔ کھانے کے بعد دوائی دی اور میں پاس ہی بیٹھا رہا۔ اتنے میں والدہ کا فون آیا۔ میں اٹھ کر جانے لگا فرمانے لگے بیٹھے رہو۔ انہیں فون کا علم نہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ اماں کا فون آیا ہے ابھی سنکر آتا ہوں واپسی پر پوچھا "تمہاری اماں تھی"۔ میں نے کہا جی۔ خود فون پر بول رہی تھیں۔ فرمانے لگے میری حالت بتا دی ہے۔ میں نے کہا جی۔ وہ آنا چاہتی ہیں۔ اور میں کار کا انتظام کر رہا ہوں تا صبح آ جائیں۔ اس کے بعد کچھ کپکپی سی شروع ہو گئی۔ اور اس کے بعد بیشتر زیادہ تر غنودگی میں ہی وقت گزرا۔

۲ر ستمبر کو جبکہ بہت سے احباب کوٹھی ۲۳ ریس کورس کے احاطہ میں مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ابا جان کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہو گئی۔ آپ کو دو تین سانس کچھ اکھڑ کر آئے اور ہم سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہونچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز کے معاً بعد دوڑ کر اندر گیا۔ آپ کا بازو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے بوسہ دیا۔ اور اسی کیفیت میں کچھ لمحوں کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ اس کے بعد چونکہ سب عزیز ابا جان والے کمرہ میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ میں والدہ کے پاس چلا گیا۔ اور ان کے قدموں میں دیر تک بیٹھا رہا۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ابا جان کی وفات کی اطلاع

ابا جان کی وفات کی اطلاع ربوہ بذریعہ ٹیلیفون پہنچا دی گئی۔ چونکہ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب اور عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس لئے رات کو سونے سے پہلے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ابا جان کی وفات کی اطلاع عمداً نہ پہنچائی گئی۔ صبح جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اٹھے تو ابا جان کے متعلق دریافت فرمایا۔ ام متین نے وفات کی اطلاع دے دی۔ اور پھر بعد میں الفضل کا پرچہ بھی سامنے کر دیا۔ حضور کو اس کا بے حد صدمہ اور قلق تھا۔ لیکن پہلے دو روز بہت ضبط فرماتے رہے۔ ذکر کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ لیکن ضبط کی وجہ سے چہرے پر سرخی آ جاتی تھی۔ ان دنوں میں بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت رہی۔ میری بیوی سے فرمایا کہ مجھے بڑا کرب اور قلق ہے۔ پھر فرمایا "مجھ سے چھوٹے تھے۔" ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا۔

"دعا کرو قادیان واپس ملے تا یہ چکر ختم ہو۔"

اپنے بچپن کے واقعات کا بھی ذکر فرماتے رہے۔ مجھے ایک روز فرمانے لگے کہ تمہارے ابا بچپن کی عمر میں حضرت صاحب کو "تو" کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک احمدی دوست نے سن لیا تو اس نے ڈانٹا کہ میاں تمہارے ابا ہوں گے۔ لیکن اگر پھر کبھی تم نے حضرت صاحب کو "تو" کہا تو میں ماروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو فرمانے لگے

"اسے "تو" کہنے دو۔ مجھے اس کے منہ سے اچھا لگتا ہے۔"

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی وفات کا بھی ذکر فرماتے رہے اور بچپن کے بعض واقعات بھی بیان فرماتے۔

ابا جان کی تدفین سے پہلے حضرت صاحب سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ چہرہ دیکھنا پسند فرمائیں گے۔ فرمانے لگے۔ "مجھے اب برداشت کی طاقت نہیں۔"

آخری بیماری کے حالات کے بیان کے بعد میں چاہتا ہوں کہ مختصراً آپ کی زندگی کے نمایاں شمائل کا بھی کچھ ذکر کر دوں۔ پھر کسی صاحب قلم کو توفیق ملی تو وہ آپ کی زندگی کے واقعات تفصیلاً محفوظ کر سکے گا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق

میری طبیعت پر ابا جان کی زندگی کا جو سب سے گہرا اثر ہے وہ آپ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق کی کیفیت ہے۔ آپ کا طریق تھا کہ گھر کی مجالس میں احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے حالات اکثر بیان فرماتے تھے میرے اپنے تجربہ میں یہ ذکر سینکڑوں مرتبہ کیا ہوگا۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک مرتبہ بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر سے آپ کی آنکھیں آب دیدہ نہ ہوئی ہوں بڑی محبت اور سوز سے یہ باتیں بیان فرماتے تھے اور پھر ان کی روشنی میں کوئی نصیحت کرتے تھے۔ اسی عشق کے جذبہ میں آپ نے اپنی مشہور تصنیف "خاتم النبیین" کی تین جلدوں میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات قلم بند فرمائے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق روایات اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیرت المہدی" میں جمع کیں جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ ہر دو تصانیف آپ نے محنت اور تحقیق کے علاوہ بڑی محبت سے لکھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے محبت کمال وفاداری اور اطاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضور کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں۔ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دل کے تابع ہو۔ عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ میرے ایک بھائی پر حضور ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی کا "الفضل" میں اعلان بھی فرمایا۔ ابا جان نے مشورہ کے لئے ہم سب کو اکٹھا کیا۔ بچوں کے علاوہ جو احباب اس وقت موجود تھے۔ ان میں ہمارے چچا جان (حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور غالباً مکرمی درد صاحب بھی شامل تھے۔ میں نے پہلی مرتبہ روتے ہوئے ابا جان کو اس مجلس میں دیکھا۔ بڑا کرب اور قلق تھا۔ اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنی اولاد کی دنیوی حالت کی نہ خبر ہے نہ فکر اور شاید میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے کبھی یہ بھی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی۔

کہ مظفر کی تنخواہ کیا ہے۔ لیکن باوجود اس تکلیف کے خود حضور کی خدمت میں کوئی درخواست پیش نہ کی اور شاید اس جذبہ سے نہ کی کہ آپ کی طرف سے ایسی تحریر انتظامی اور جماعتی معاملات میں مداخلت تصور نہ ہو۔ البتہ میرے متعلقہ بھائی کو بار بار اور تاکید اً تلقین کرتے رہے کہ حضور سے معافی کی درخواست اور استدعا کرتے رہو اور خود اس معاملہ میں خود بھی دعا فرماتے رہے اور اپنے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کے لئے باقاعدہ لکھتے رہے۔

حضور کا سلوک بھی اباجان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جاتی ہوتی تھیں۔ ان کے مسودات اباجان کو بھی دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر اباجان کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسب منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائیگا۔

حضرت ام المومنین سے محبت اور اُن کا احترام

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بھی اباجان بہت احترام کرتے تھے اور ان کے وجود سے جو برکات وابستہ تھیں ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان میں آپ کا معمول تھا کہ شام کا کھانا قریباً روزانہ حضرت اماں جان کے ساتھ کھاتے تھے۔ کھانا معاً مغرب کی نماز کے بعد کھایا جاتا تھا اور نماز سے فارغ ہو کر سیدھے اماں جان کے گھر جاتے تھے اور شام کا کھانا وہیں کھاتے تھے۔ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب کے علاوہ جو ہمیشہ اماں جان کے ساتھ ہی رہے ہیں میں بھی شامل ہو جایا کرتا تھا اور بعض دفعہ اور عزیز بھی۔ کبھی کبھی ماموں جان (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ) بھی ہوتے تھے اور اس موقعہ پر اباجان اور ماموں جان میں کسی نہ کسی دینی موضوع پر گفتگو شروع ہو جاتی بعض مرتبہ حضرت اماں جان تنگ آکر فرمایا کرتی تھیں میاں اب بس کرو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

ایسے مواقع پر بعض مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے فارغ ہو کر راستہ میں گھر جاتے ہوئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر حضور بیٹھتے کم تھے بلکہ صحن یا کمرہ میں موسم کے مطابق جہاں کہیں کھانے کا انتظام ہو ٹہلتے رہتے تھے اور گفتگو فرماتے جاتے تھے۔

حضرت اماں جان کو بھی اباجان سے بہت پیار تھا۔ میری نظروں کے سامنے اب بھی اماں جان ان سیڑھیوں کے اوپر جو ہمارے قادیان کے مکان کو حضرت صاحب و حضرت اماں جان کے مکان سے ملاتی ہیں کھڑی دکھائی دیتی ہیں ہاتھ میں پلیٹ ہوتی جس میں کوئی کھانے کی چیز جو انہوں نے پکائی ہوتی تھی پکڑی ہوتی تھی اور اباجان کو آواز دے کر بلاتی تھیں کہ میاں تمہارے لئے لائی ہوں لے لو۔ ایسے وقت میں کبھی صرف "میاں" کہہ کر پکارتی تھیں۔ کبھی "میاں بشیر" اور کبھی صرف "بشریٰ"۔ اسی محبت کے نام کی یاد میں اباجان نے ربوہ کے مکان کا نام "البشریٰ" رکھا اور اسے گھر کے دونوں طرف نمایاں کر کے کندہ کر دیا۔

اپنی آخری بیماری کے ایام میں اباجان والدہ کو جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری الماری میں ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس ہے۔ وہ مظفر کو کہنا خود کھولے چنانچہ جب میں نے اسے کھولا تو اس میں بعض اور ذاتی کاغذات کے علاوہ کچھ حضرت مسیح موعود کے دستی لکھے ہوئے خطوط اور چند لفافوں میں کچھ روپے پڑے تھے اور ہر ایک کے ساتھ مختصر سا نوٹ تھا کہ یہ رقم حضرت ام المومنین نے بطور عیدی کے اباجان کو دی تھی اور آپ نے تبرکاً اسے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ عیدی کی بعض رقوم قادیان کی دی ہوئی تھیں اور ہندوستانی نوٹ میں تھیں۔ اس لئے ان کے لئے آپ نے اسٹیٹ بنک سے اجازت لے رکھی تھی اور وہ اجازت نامہ نوٹوں کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کے ساتھ منسلک کر کے رکھا ہوا تھا۔

حضرت اماں جان کے اباجان کے ساتھ اس تعلق کا حضرت صاحب کو بھی احساس تھا۔ جب قادیان سے یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ مقامی حکام کے ارادے اچھے نہیں اور وہ کسی نہ کسی بہانے اباجان کو قید کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت صاحب نے اس وجہ سے اور پھر جماعتی کاموں کی خاطر اباجان کو حکم دیا کہ پاکستان چلے آئیں۔ اباجان بڑے مخدوش حالات میں قادیان سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔ حضرت صاحب نے اباجان کے لاہور بخیریت پہنچنے پر سجدۂ شکر کیا اور پھر ننگے پاؤں شوق سے اباجان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اماں جان کے پاس لے آئے اور فرمایا لیں اماں جان آپ کا بیٹا آگیا ہے۔

صحابہ حضرت مسیح موعودؑ سے لگاؤ اور اُن کا احترام

صحابہ حضرت مسیح موعود سے بھی اباجان کو بہت گہرا لگاؤ تھا اور ان کی بہت عزت اور احترام کرتے تھے۔ ان میں ہر طبقہ کے لوگ تھے اور ہر ایک کے ساتھ یکساں محبت اور مروت سے پیش آتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور بعض کو دعاؤں کے لئے باقاعدہ لکھتے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ پاکیزہ گروہ اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور اب تو خال خال رہ گئے ہیں۔ ان سے ملتے رہنا چاہیئے اور ان کی برکات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور نوجوانوں کو چاہیئے کہ کوشش کریں کہ وہ اپنے اندر انہیں اصحاب کے خلوص۔ فدائیت اور تعلق باللہ کا رنگ پیدا کریں۔

اسلام اور احمدیت کے مستقبل کے متعلق مکمل یقین

ایک اور چیز جو اباجان میں نمایاں نظر آتی تھی وہ اسلام اور احمدیت کا مستقبل تھا۔ اکثر احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اور الہامات کی روشنی میں اس کا گھر کی مجالس میں اور دوسرے دوستوں میں ذکر فرماتے تھے اور اس یقین سے بیان فرماتے تھے کہ یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ گویا کسی واقع شدہ بات کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جماعت میں بہت سے اندرونی اور بیرونی فتنے اٹھے لیکن جہاں آپ ان سے جو کسی نزول ہوتے وہاں ان کی مکمل ناکامی اور اس کے بالمقابل جماعت کی ترقی کے یقین سے پُر ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ایسے ہی کسی موقع پر مکرمی درد صاحب مرحوم نے مجھ سے بات کی فرمانے لگے کہ ان معاملات میں جماعت کے بعض چیدہ چیدہ لوگ بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ لیکن میاں صاحب کا یہ حال ہے کہ جیسے کوئی مضبوط چٹان کھڑی ہو اور اس پر پانی کی لہریں اٹھکر پڑتی ہوں۔ لیکن وہ وہیں کی وہیں بغیر کسی تنزلزل کے قائم و دائم کھڑی ہو جیسا کہ میں آگے چلکر بتاؤں گا کہ آپ کی طبیعت میں شفقت بہت تھی۔ لیکن باوجود ایسی نرم اور شفیق طبیعت رکھنے کے جہاں دین کا معاملہ آجائے وہاں دوستوں سے بھی سختی دکھانے میں اجتناب نہ کرتے۔ اپنے عمر بھر کے ایک دوست سے جن سے ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے ان سے ایک مرتبہ حضور کسی جماعتی معاملہ میں ناراض ہوئے۔ اس دوست نے اباجان کو ایک ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ میں ملنے آنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا حضرت صاحب اس سے ناراض ہیں آپ کہہ دیں کہ پہلے حضرت صاحب سے معافی لے میں پھر ملوں گا یوں نہیں مل سکتا۔

بنی نوع انسان سے ہمدردی اور شفقت

اباجان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو بنی نوع انسان کی ہمدردی تھا۔ میں نے آپ جیسا شفیق انسان اور کوئی نہیں دیکھا۔ ہر آن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کے کام آسکیں آپ کا دروازہ ہر دردمند کے لئے کھلا رہتا تھا۔ لوگوں کی تکالیف اور ان کی پریشانیوں کے بیان کو بڑے تحمل سے سنتے تھے اور اپنی طاقت اور موقع کے مطابق امداد فرماتے تھے کسی کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مشورہ دے رہے ہیں۔ کسی کو ملازمت کے لئے۔ کسی کو علاج معالجہ کے لئے۔ کسی کو مقدمات کی پریشانی کے بارے میں۔ کسی کو کاروبار اور تجارت میں کسی کو رشتہ کے بارے میں۔ ہر ضرورت مند آپ کے پاس آتا تھا اور آپ بڑے اطمینان سے اس کی بات سنتے تھے اور اسے صحیح مشورہ دیتے اور اس کی حتی المقدور امداد فرماتے تھے۔ غرباء کی طرف بالخصوص توجہ دیتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایسے مواقع کوشش سے ڈھونڈتے تھے کہ میں کسی طور سے لوگوں کے بوجھ ہلکے کر سکوں اور ان کی پریشانیوں میں ایک گھر کا فرد ہو کر شامل ہو سکوں۔ ہم بچوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ انسان کو نافع الناس وجود بننا چاہیئے۔ ایسی زندگی جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو وہ کوئی زندگی نہیں۔

اپنی اس خصوصیت سے اپنے اوپر ہر تکلیف بخوشی قبول فرماتے تھے۔

تعزیت کے لئے جو احباب تشریف لائے ان میں سرگودھا کے ایک غیر از جماعت دوست بھی تھے وہ جس صاحب کے ساتھ آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب سے انہوں نے حضرت میاں صاحب کے وصال کی خبر سنی ہے انہیں اس کا شدید صدمہ ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ یہ دوست کہنے لگے کہ میں ایک مقدمہ میں ماخوذ تھا اور بغیر کسی تعارف یا واقفیت کے ربوہ حضرت میاں صاحب کے مکان پر چلا آیا اور اطلاع بھجوائی کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔ خادم جواب لایا کہ میاں صاحب فرماتے ہیں میری طبیعت اچھی نہیں۔

اگر پھر کسی وقت تشریف لائیں تو بہتر ہوگا۔ وہ کہنے لگے میں اپنی تکلیف میں تھا اس لئے میں نے اصرار کیا کہ میں نے ضرور ملنا ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میاں صاحبؓ مکان سے باہر بڑی تکلیف اور مشکل سے دیوار کے ساتھ قریباً دونوں ہاتھوں سے سہارا لئے آہستہ آہستہ چلے آرہے ہیں۔ وہ دوست کہنے لگے میں بہت پشیمان ہوا کیونکہ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اس قدر تکلیف ہے آکر برآمدہ میں بیٹھ گئے اور میرے حالات بڑی توجہ سے سنے اور فرمایا میں آپ کے لئے ضرور دعا کروں گا اپنی ایسی بیماری کی حالت میں ایک غیر معروف شخص کی خاطر اس طرح باہر تشریف آنا آپ کی ہمدردی بنی نوع انسان کے متعلق کی ایک مثال ہے۔ میں نے بیسیوں مرتبہ یہی کیفیت دیکھی ہے۔ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے تا لوگوں کو سکھ نصیب ہو۔ اور ان کے ہر قسم کے معاملات میں گہری دلچسپی لے کر ان سے پوری ہمدردی فرماتے تھے مشورہ بھی دیتے تھے اور جہاں ہو سکتے امداد بھی فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ صرف ملاقات تک محدود نہ تھا بلکہ اسی سلسلہ میں بے شمار خطوط آتے تھے اور آپ ہر ایک کو بغیر توقف جواب دیتے تھے۔ چنانچہ اس آخری بیماری میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور تعزیت کے خطوط میں ایک صاحب نے لکھا کہ میاں صاحبؓ کا خط ان کی وفات کی خبر کے بعد انہیں ملا۔

دوستوں سے ہمدردی کرنے وقت بڑی شفقت اور نرمی سے اپنا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر مخصوص انداز میں رکھتے تھے اور دلاسا دیتے تھے۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہیں اس کا تجربہ ہوا ہو۔

آپ کی بے پایاں شفقت جہاں دوسروں کے لئے تھی وہاں اپنے دوستوں کے لئے اور بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس نیک سلوک اور مروّت کا سلسلہ اپنے دوستوں کی اولادوں تک کے لئے قائم رکھتے تھے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ اپنی والدہ محترمہ (اہلیہ حکیم قطب الدین صاحبؓ) کا جنازہ وہ ربوہ لے کر گئے رات کے ۳½ بجے کے قریب پہنچے حضرت میاں صاحب کو اطلاع ملی اسی وقت رات کو تشریف لے آئے اور تجہیز و تکفین تک میں شامل رہے اور ہر طرح ان کے غم میں شریک رہے اور ہمدردی فرماتے رہے اسی طرح صوفی عبدالرحیم صاحب لدھیانوی نے بیان کیا کہ ان کی والدہ (پیر عنایت علی شاہ صاحبؓ کی اہلیہ) کا تابوت جب وہ تدفین کے لئے لائے تو ابا جان نے کمال ہمدردی سے ان کے غم میں شرکت کی اور فرمانے لگے کہ پیر صاحب کو تو ہم اپنے گھر کا فرد سمجھتے ہیں۔

اسی طرح اپنے بچوں کے دوستوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک رکھتے تھے اور ان کا خاص خیال کرتے تھے پچھلے ایام میں جب ہمارے دوست کرامت اللہ صاحب کراچی میں شدید بیمار ہوئے اور اپریشن کے لئے انگلستان گئے تو ابا جان ان کے لئے بہت دعا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی تاکید سے دعا کے لئے کہتے تھے۔ خود کرامت اللہ صاحب کو خط میں لکھا کہ " میں تو آج کل آپ کے لئے مجسم دعا بن گیا ہوں"۔ پھر دوبارہ جب کرامت صاحب علاج کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تو پھر ان کی بیماری کا شدید احساس تھا اور جہاں خود بھی دعا کرتے تھے وہاں دوستوں کو بھی تحریک کرتے تھے اور بالکل ایسے رنگ میں اور اضطراب سے کرتے تھے کہ جیسے کوئی اپنا بچہ بیمار ہو۔ (کرامت اللہ صاحب آج کل پھر شدید بیمار ہیں دوست ان کی صحت یابی کے لئے بھی دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معجزانہ طور پر شفا دے)

بچوں سے سلوک

ہم بہن بھائیوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ ادب کا احترام کرتے تھے اور جب کبھی ہم باہر سے جلسہ وغیرہ اور دوسرے مواقع پر گھر جاتے تھے تو ہر ایک کے لئے بہت اہتمام فرماتے تھے خود تسلی کرتے تھے کہ سونے والے کمرہ میں بستر وغیرہ ہر چیز موجود ہے۔ غسل خانے میں پانی۔ صابن تولیہ موجود ہے۔ یوں احساس ہوتا تھا جیسے کسی برات کا اہتمام ہو رہا ہے اور ہمیں شرم آتی تھی لیکن خود ذوقاً یہ اہتمام فرماتے تھے۔ ہم واپس جاتے تو کمرے میں آکر دیکھتے کہ کوئی چیز بھول کر چھوڑ تو نہیں گئے۔ اگر کچھ ہوتا تو اسے حفاظت سے رکھوا دیتے اور ہمیں اطلاع ضرور دیتے کہ فلاں چیز تم یہاں چھوڑ گئے ہو میں نے رکھوا لی ہے پھر آؤ تو یاد سے لے لینا۔

مجھے فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں میرا وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔ میں انہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں۔ لیکن دراصل سہارا خدا کی ذات ہے جس کے آگے جھک کر میں دعا گو رہتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے اور دین کا خادم بنا دے۔

ہمیں جب بھی نصیحت فرماتے تو اس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے کہ سبکی کا پہلو نہ ہو فرمایا کرتے تھے کہ اگر نصیحت ایسے رنگ میں کی جاوے کہ دوسرے کی خفت ہو تو وہ ٹھیک اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ بعض دفعہ الٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب بھی ہمری کوئی حرکت پسند نہ آتی تو اس کے متعلق تفصیل سے خط لکھتے تھے اور بڑے مؤثر اور مدلل طور پر نصیحت فرماتے تھے۔ کسی خادم یا چھوٹے بچے کے ہاتھ خط اس ہدایت سے بھیجتے کہ پڑھ کر اسے واپس کردو۔ اس طریق میں ایک پہلو تو یہی ہوتا تھا کہ دوسروں کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ یا نصیحت کا اچھا اثر نہ پڑے گا اور دوسرے بعض مواقع پر شاید حجاب بھی مانع ہوتا ہو۔

ہم بہن بھائیوں کو دین کے کسی معاملہ میں دلچسپی لینے اور کام سے بہت خوش ہوتے تھے اور اپنی خوشی کا اظہار بھی فرماتے تھے اور یہی خواہش رکھتے تھے کہ دنیوی زندگی کا حصہ ایک ثانوی حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل نہ کرے۔

والدہ کی لمبی بیماری اور آپ کی تیمارداری

والدہ کی گذشتہ سات سالہ لمبی بیماری کے دوران میں جس میں بعض ایام میں بیماری کی شدت اور تکلیف بہت بڑھ جاتی تھی۔ آپ نے جس خوشی اور صبر و تحمل سے ان کی تیمارداری کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ باوجود اس کے کہ خود بیمار رہتے تھے لیکن پھر بھی دن اور رات میں متعدد مرتبہ والدہ کے کمرہ میں تشریف لاتے طبیعت پوچھتے اور ساتھ بیٹھے دعائیں کرتے رہتے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ سب نظارے اب بھی تازہ ہیں۔ بعض مرتبہ خود اتنی تکلیف میں ہوتے تھے کہ مشکل سے چل سکتے تھے لیکن اس حالت میں بھی کراہتے۔ سوٹی یا دیوار کا سہارا لیتے ہوئے آتے اور کافی دیر پاس بیٹھ کر تسلی دیتے اور دعائیں کرتے رہتے سچ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم بھائی بہن بھی والدہ کی خدمت کرتے رہے (اور اللہ تعالیٰ مزید کی بھی توفیق دے) اور گو ہم جوان تھے۔ لیکن یہ ساری خدمت ابا جان کی خدمت کا پاسنگ بھی نہ تھی اور میں تو کئی مرتبہ اس CONTRAST کا احساس کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتا تھا۔

میرے خیال میں آپ کی اپنی بیماری پر زیادہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی علالت اور والدہ کی بیماری کے گہرے اثر کا تھا۔ حضور کی بیماری سے بالخصوص بہت فکر مند رہتے اور اس کے جماعتی لحاظ سے بد اثرات سے چوکس رہتے۔ خود بھی بہت دعائیں کرتے تھے اور اخبارات اور اپنی مجلس میں دوستوں کو بھی تحریک فرماتے رہتے تھے۔ اپنی آخری بیماری میں بھی جب ایک دفعہ خبر آئی کہ حضور کی ران پر زخم کے آثار ہیں تو اس پر بہت پریشان تھے اور آبدیدہ ہو کر مجھے فرمایا یہ بڑے فکر کی بات ہے۔

طبیعت کا رجحان اور اس کی کیفیت

طبیعت کے لحاظ سے آپ بہت حساس تھے اور لوگوں کے جذبات کا خاص خیال رکھتے تھے اور خود بھی اس معاملہ میں کسی کی لغزش کو محسوس فرماتے تھے۔

طبیعت میں نفاست تھی اور باریک بینی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے رکھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی سے گھبراتے تھے میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ نظارہ ہے کہ جب اپنی بیماری کی شدت کے آخری ایام میں غالباً ۳ اگست کی بات ہے۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ چارپائی پر لیٹے لیٹے کھڑا ہوا آپ کا ہاتھ اٹھا اور اسے سرہانے میز کی طرف بڑھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ گھڑی جو میز پر پڑی تھی وہ کچھ ترچھی پڑی تھی اسے سیدھا کرنا چاہتے تھے۔ میں نے جلدی سے اسے سیدھا کر کے رکھ دیا۔ اس کے کچھ وقفہ کے بعد پھر کانپتا ہوا ہاتھ میز کی طرف بڑھایا اور وہ قلم جو ترچھے پڑے تھے انہیں بڑی احتیاط سے سیدھا کر کے رکھا۔ اور پھر غنودگی کی سی کیفیت میں آنکھیں بند کر لیں۔ . . . .

اس میلان طبیعت کے لحاظ سے ہر چیز کو تحریر میں لے آتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کی ایک علیحدہ فائل کھول کر اس میں تمام متعلقہ کاغذات اہتمام سے رکھتے تھے خط لکھتے وقت یا یادداشتی نوٹ نمبروار لکھتے اور انہیں سُرخ سیاہی سے نمایاں کر دیا کرتے تھے۔ ایک سے زائد کاغذ کو پن کے ساتھ نتھی کرتے۔ غرضیکہ نفاست اور باریک بینی کے اس میلان کا مظاہرہ ہر جگہ ہوتا تھا۔

انتظامی قابلیت خدا نے بہت دے رکھی تھی اور ہر انتظامی معاملہ میں بڑی تفصیل میں جاتے تھے اور اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ موٹی موٹی باتیں تو ذہن میں آ ہی جاتی ہیں لیکن انتظامی ناکامی چھوٹی باتوں کی طرف سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

طبیعت کے اسی محتاط پہلو کا نتیجہ تھا کہ جہاں تحریر کو بڑی احتیاط سے دیکھتے اور درستی فرماتے وہاں زبانی ارشاد کو دوسرے سے دہروا لیا کرتے تھے تا غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

معاملہ کے بہت صاف تھے ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھنے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ خود کرتے اور نہ دوسرے کی طرف سے پسند فرماتے۔ قرض سے بہت بچتے تھے۔ خود تنگی برداشت کر لیتے لیکن قرض سے حتی الوسع گریز کرتے اور اگر کبھی ناگزیر ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں کمال باقاعدگی سے کام لیتے۔ طبیعت کا یہ عنصر مالی لین دین تک محدود نہ تھا بلکہ ہر شعبہ میں نمایاں ہوتا۔ سیدھی بات کو پسند فرماتے اور پیچیدہ ریاست سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

لباس بہت سادہ پہنتے تھے اور تنگ لباس کو برداشت نہ کرتے تھے۔ سفید قمیص اور شلوار۔ کھلا لمبا کوٹ اور پگڑی پہنتے تھے۔ کبھی کبھی خصوصاً غیر رسمی مواقع پر ٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔ شروع میں دیسی جوتی پہنا کرتے تھے لیکن بعد میں گرگابی طرز کا کھلا بغیر تسموں والا بوٹ۔ یہی سادگی رہائش میں پسند فرماتے تھے۔ اور نمائش کی چیزوں سے گھبراتے تھے۔ رہائش میں مشقت پسند فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب شروع شروع میں Air Condition کا رواج بڑھا اور میں نے ایک خریدا تو میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ میں اپنے لئے کوئی ایسا آرام ڈھونڈوں جو ابا جان کے استعمال میں نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس کیفیت کے مدنظر اور ربوہ کی شدید گرمی کا احساس کرتے ہوئے ایک Air Condition تحفۃً بھیجا اور آدمی بھیج کر اسے آپ کے کمرے میں لگوا دیا۔ اسے استعمال فرماتے رہے لیکن ایک مرتبہ خراب ہو گیا تو خفگی سے فرمایا کہ مظفر نے خواہ مخواہ مجھے اس کی عادت ڈال دی ہے اور اس کے بند یا خراب ہونے سے اب مجھے تکلیف ہوتی ہے ورنہ میں اپنے لئے کسی ایسی سہولت کو مرغوب نہیں پاتا۔

طبیعت میں بلند پایہ مزاح بھی تھا اور بعض مرتبہ نصیحت کرتے وقت اس جوہر سے کام لیتے تھے۔ اپنے ایک پرانے رفیق (مکرمی درد صاحب) کا ایک بچہ باہر سے ربوہ آیا اور بغیر ملاقات واپس چلا گیا تو اسے لکھا کہ میں نے سُنا ہے تم آئے تھے لیکن غالباً تم نے اپنے بزرگوں سے تعلقات کو کافی سمجھا اور ملاقات کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔

علمی ذوق اور تصانیف و طرز تحریر

علمی تحقیق کا ذوق رکھتے تھے اور نوجوانی کے زمانہ سے اسلام اور احمدیت کی خدمت میں اپنا قلم اٹھایا اور ۴۰ کے قریب قیمتی کتب اور رسائل کا روحانی خزانہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ اس کے علاوہ الفضل میں باقاعدگی سے ہر موقع پر مضامین لکھتے رہے۔ طرز تحریر بہت دلکش اور سادہ تھا اور مشکل سے مشکل مضمون کو سادگی سے نبھانے والی اور بڑی صاف تحریر تھی جو اپنے خلوص کی وجہ سے دل میں اترتی جاتی تھی۔ اپنی کتب میں سیرۃ خاتم النبیین اور سیرۃ المہدی کے علاوہ تبلیغ ہدایت کو بھی اس خیال سے پسند فرماتے تھے کہ یہ میری جوانی کے زمانہ کی یادگار ہے۔ جب آپ نے یہ مفید کتاب لکھی تو آپ کی عمر اس وقت ۲۹ سال تھی۔

مرکز سے گہری وابستگی

مرکز احمدیت سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ شروع میں قادیان اور پھر اب ربوہ سے بھی یہ وابستگی قائم رہی۔ مرکز سے باہر جانا آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرتا تھا اور سوائے خلیفہ وقت کے حکم یا اشد طبی ضرورت کے باہر نہ جاتے تھے

قادیان سے عشق قائم رہا اور درویشان کی خدمت بڑے ذوق اور شوق سے کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اور تحریرات کی روشنی میں اس پختہ یقین پر قائم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے وقت پر مرکز احمدیت جماعت کو واپس دلائیگی اور کوئی دنیاوی تدبیر اس میں حائل نہ ہو سکے گی فرمایا کرتے تھے کہ الہامات اور حضرت اقدس کی تحریرات میں وقت کا تعین نہیں بلکہ یہ اشارہ ہے کہ یہ واقعہ اچانک اور ایسے رنگ میں ہوگا کہ بظاہر ناممکن نظر آئے گا اور اس کی درمیانی کڑیاں نظر سے اوجھل رہیں گی۔

مرکز سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی آخری بیماری کے ایام میں جب گھوڑا گلی طبی مشورہ کے تحت تشریف لے گئے تو ایک منذر خواب کی بناء پر فرمایا کہ چھوڑ گرما سے پہلے واپس چلیں اور مجھے کہنے لگے کہ پرندہ اپنے گھونسلے میں ہی خوش رہتا ہے میں تو ربوہ جانا پسند کروں گا لیکن چونکہ وہاں بجلی کا انتظام ناقص ہے اور شاید طبی لحاظ سے بھی لاہور سے گزرنا مناسب ہو اس لئے لاہور جانا پڑتا ہے ایسی کیفیت کے تحت میرے چھوٹے بھائی مرزا منیر احمد کو تاکیداً فرمایا کہ دیکھو میرا جنازہ ربوہ بغیر کسی توقف کے لے جانا۔ چنانچہ اسی خواہش کے مدنظر ہم رات کو ہی لاہور سے چل پڑے اور رات کے ۳½ بجے ربوہ پہنچے۔

دو ذاتی دعائیں

مضمون میرے اندازہ سے کچھ لمبا ہو گیا ہے لیکن میں ایک دو امور کا ذکر کر کے اسے ختم کرتا ہوں۔ ذاتی دعاؤں میں ابا جان دو باتوں کے لئے بہت دعا فرمایا کرتے تھے۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے اور دوم انجام بخیر ہو۔ اس آخری امر کے لئے بڑی تڑپ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے۔ مجھے کئی بار فرمایا کہ ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا مورد ہو جاتی ہے اور جہنم کے گڑھے کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ ایک دوسرا انسان ساری عمر بداعمالی میں گزارتا ہے لیکن آخر میں ایسا کام کر جاتا ہے جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے سو اصل چیز انجام بخیر ہے اور اس کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ خود اپنے لئے اس کی اہمیت سے بہت دعا فرمایا کرتے تھے اور کسی سے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ بڑے اضطرار سے یہ دعا کی اور خدا سے درخواست کی کہ اس بارہ میں مجھے کوئی تسلی دے دے۔ اس دعا پر جو غالباً قرآن شریف کی تلاوت کے دوران میں کر رہے تھے یکدم قرآن شریف کے سامنے کے دونوں ورق سفید ہو گئے اور دائیں ورق پر موٹے الفاظ میں صرف یہ دو لفظ لکھے نظر آئے "بخیرِ حساب"۔

غرضیکہ تعلق باللہ۔ عشق رسولؐ۔ مسیح زمانؑ سے گہری روحانی وابستگی خلیفہ وقت کی بے مثال اطاعت اور فرمانبرداری۔ خلق خدا سے بے پایاں شفقت۔ غرباء سے ہمدردی۔ مرکز سے گہرا لگاؤ اور اسلام اور احمدیت کے مستقبل پر کامل یقین آپ کی زندگی کے خصوصی پہلو تھے۔ اپنی ساری عمر اپنی تمام تر طاقت اس کوشش میں صرف کی کہ خدا کا نام بلند ہو اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو۔ عین جوانی میں وقفِ دین کا عہد باندھا اور آخری سانس تک اسے بڑے ذوق اور شوق سے نبھایا۔ احمدیت کی یہ مایۂ ناز شخصیتیں زمانہ کے لحاظ سے ہمارے بہت قریب کھڑی ہیں اور ہم ان کی قدر و منزلت اور مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن اسلام اور احمدیت کا آنے والا مؤرخ ان کے خط و خال کو اجاگر کرے گا اور تاریخ کے اس دور سے نہیں گزر سکے گا جب تک وہ مسیح محمدی کے ان پروانوں کو خراجِ تحسین نہ ادا کرے۔ یہ خوش قسمت لوگ مسیح محمدی کی فوج کے صفِ اوّل کے سپاہی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو اور دنیا کو ایک زندہ خدا اور ایک زندہ نبی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کی پہچان ہو۔ ان بزرگوں نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔ اسلام اور احمدیت کے پودے کی اپنے خون اور قربانی سے آبیاری کی اور دنیا کی کوئی کشش اس کے راستہ میں حائل نہ ہونے دی۔ دین سے باہر کسی چیز میں کبھی دلچسپی لی تو فروعی اور وقتی طور پر اور زندگی اور ہر توجہ کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدمتِ دین رہا۔ اپنی تمام زندگی کا یہی MOTO رہا کہ دین دنیا پر بہرحال مقدم رہے اور اپنے پر ہر موت اس لئے وارد کی تا اسلام زندہ ہو۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ایک بیماری

گے حملہ کے دوران ڈاکٹروں نے ابا جان کو مشورہ دیا کہ اب آپ کی صحت کی حالت ایسی ہے کہ آپ کام کم کیا کریں۔ آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور فرمانے لگے میں تو یہی چاہتا ہوں کہ دین کی خدمت کرتے کرتے انسان جان دیدے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ ابا جان کو کام کرنے سے نہ روکیں بلکہ یہ مشورہ دیں کہ آپ تھوڑے عرصہ کے لئے آرام فرمالیں تا پھر تازہ دم ہو کر پہلے کی طرح اپنا کام کرنے چلے جائیں۔ چنانچہ یہ گُر کارگر ہؤا اور کچھ عرصہ کے لئے آرام کا مشورہ آپ نے اس رنگ میں قبول فرمایا کہ کچھ دن کے لئے کام کو کچھ ہلکا کر دیا۔

اے جانیوالے تجھ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ تو عمر بھر اپنے اور غیروں سب کے لئے ایک بے پایاں شفقت اور رحمت کا سایہ بن کر رہا۔ دیکھ میرا ہاتھ کانپ رہا ہے اور میری آنکھیں اشکبار ہیں اور میرا دل تیری محبت کی یاد میں بے قابو ہؤا جاتا ہے۔ اے اللہ رحم کر رحم۔ میرے مولا ہم کون؟ جو تیری قضا کے فیصلہ کے سامنے کسی قسم کی چون وچرا کریں۔ تو گواہ ہے کہ باوجود اس کی تمام تلخیوں کے ہم نے تیری تقدیر کو بانشراح صدر قبول کیا ہے لیکن میرے مولا تیرے در کا سوالی تجھ سے ایک بھیک مانگتا ہے۔ میرے ابا کا خاکی جسم تو ہم سے جدا ہو گیا لیکن ان کی برکات ہمارے ساتھ رہنے دیجیو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سے وہ کام لے لے جس سے تو راضی ہو جائے اور جو ہمارے باپ کی روح کیلئے تسکین کا باعث ہو۔

شکریۂ احباب

بالآخر میں اُن تمام احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے ابا جان کے لئے اور ہمارے لئے دعائیں کیں اور کر رہے ہیں۔ اور پھر آپ کے ان معالجوں کا جنہوں نے آپ کی بیماری میں کمال محبت اور محنت سے علاج کی تکلیف اٹھائی۔ ان ڈاکٹروں میں ربوہ میں عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور لاہور میں ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

مکرمی ڈاکٹر یعقوب صاحب نے اس آخری بیماری میں اور اس سے پہلے بھی ہر بیماری کے موقع پر بے حد محبت اور اخلاص سے علاج کیا۔ لاہور میں صبح اور شام کا آنا تو معمول تھا ہی۔ اس کے علاوہ بھی ضرورت کے موقع پر بلا توقف تشریف لاتے تھے اور دیر تک پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اور کرنل عطاء اللہ صاحب نے بھی بڑے اخلاص اور محبت سے علاج اور تیمارداری میں حصہ لیا۔ ... ... اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور جو آرام اور راحت انہوں نے میرے باپ کو پہنچانے کی کوشش کی ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور ان کی اولادوں کو پہنچائے۔ خادموں میں سے سب سے اوّل بشیر احمد نے خدمت کی نہ صرف بیماری میں بلکہ گزشتہ قریباً بیس برس سے اس نے حد درجہ وفاداری اور جاں نثاری سے خدمت کی ہے اور ابا جان بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے اور اس سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے۔

جنازہ کے موقع پر بھی احباب جماعت کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور ایک اندازہ کے مطابق کوئی ۶۔۷ ہزار لوگ باہر سے ربوہ تشریف لائے۔ بعض ان میں دور دور کے مقامات سے باوجودیکہ وقت بہت کم ملا تکلیف اٹھا کر آئے۔ مجھے شیخ فیض محمد صاحب نے سنایا کہ وہ کراچی سے جنازہ میں شمولیت کے لئے آرہے تھے کہ ایک دیہاتی ملتان سے ہوائی جہاز پر سوار ہؤا اور ان کے ساتھ لائل پور اترا۔ لائلپور اس نے دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ جب انہوں نے کہا کہ ربوہ۔ تو اسنے درخواست کی کہ وہ اس کو بھی Taxi میں ساتھ لیتے جائیں۔ ان کے پوچھنے پر اسنے کہا کہ مجھے اپنے گاؤں میں حضرت میاں صاحب کی وفات کی خبر ملی تو میں اسی وقت ریلوے سٹیشن گیا تو گاڑی نکل چکی تھی۔ بسوں کے اڈہ پر گیا لیکن وہاں سے بھی پہنچنے کی کوئی صورت نہ بنتی تھی میرے اس اضطراب پر کسی نے کہا کہ ہوائی جہاز پر جاؤ تو شائد پہنچ سکو۔ سو یہ بیچارہ ہوائی اڈہ پر پہنچا اور وہاں سے ٹکٹ خرید کر لائل پور آیا۔ شیخ صاحب کہتے تھے کہ اس کی حالت یہ تھی کہ شائد وہ اپنی کسی دنیوی ضرورت کے لئے اتنی رقم کبھی خرچ کرنے کو تیار نہ ہوتا جو اسنے تکلیف اٹھا کر جنازہ میں شمولیت کی خاطر برداشت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

تعزیت کے پیغامات

تعزیت کے پیغام اور خطوط بھی سینکڑوں کی تعداد میں دنیا بھر سے آچکے ہیں اور ابھی چلے آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے جنہوں نے غم میں شریک ہو کر اس کے ہلکا کرنے کی کوشش کی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسے اپنا سمجھا۔ بعض دوست یہ کہہ رہے تھے کہ ہم تعزیت کس سے کرنے جائیں ہم تو کہتے ہیں لوگ ہم سے آکر تعزیت کریں۔

متعدد احباب نے اپنے خطوط میں یہ لکھا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم آج یتیم ہو گئے بعض دوستوں نے یہاں تک لکھا کہ ہمیں حضرت میاں صاحب کی وفات کا صدمہ اپنے والد کی وفات کے صدمہ سے زیادہ ہؤا ہے اور ایک مخلص دوست نے مجھے بتایا کہ بیماری کی شدت کے ایام میں وہ خدا کے حضور یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ تو میری زندگی بھی حضرت میاں صاحب کو دیدے کیونکہ میری موت سے تو ایک خاندان پر مصیبت آتی ہے لیکن حضرت میاں صاحب کی وفات جماعت اور عالم اسلام کے لئے صدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسنے ہم سب کو محبت اور اخوت کے اس رشتہ میں منسلک کر دیا ہے کہ دوسرے کی تکلیف اپنی اور بعض حالات میں اپنے سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہے۔

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تعزیتی خط

ان تعزیت کے خطوط میں ابّا جان کی وفات سے ایک روز بعد کا امریکہ سے لکھا ہؤا خط مکرم محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی طرف سے بھی ملا۔ جناب چوہدری صاحب نے اپنے اس خط میں ابّا جان کی سیرت کا بڑا صحیح نقشہ کھینچا ہے اس لئے اس خط سے ایک اقتباس درج ذیل کرتا ہوں:۔

"میں ابھی تک اس قابل نہیں ہؤا ہوں کہ اپنے خیالات کو پورے طور پر مجتمع کر کے آپکو ایک مربوط خط لکھ سکوں۔ آپکے واجب الاحترام والد کی وفات نے میری زندگی میں خلاء پیدا کر دیا ہے۔ جیسا کہ آپکو بخوبی علم ہے ہماری بہت قریبی اور گہری اور جہانتک اُن کا تعلق ہے انکی جانب سے بہت ہی مشفقانہ وابستگی ۵۳ سال سے بھی زائد عرصہ تک جاری رہی۔ اس تمام عرصہ میں کبھی اختلاف یا غلط فہمی کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہؤا۔ فیض کا چشمہ ایک ہی سمت بہتا رہا یعنی اُنکی جانب سے میری طرف۔ اُنکی محبت اور نوازشات کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اِن محبتوں اور شفقتوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہؤا تو صرف اُنکی وفات پر۔ اُن کے لئے اور اُن کے عزیزوں کے لئے مخلصانہ دعاؤں کے سوا میں اُن کی کوئی خدمت بجا نہ لا سکتا تھا اور کسی لحاظ سے بھی اُنکی پیہم نوازشات کا بدلہ نہ اتار سکتا تھا مگر اس خیال سے کسی قدر تسلّی پاتا ہوں کہ مخلصانہ دعاؤں میں مجھ سے کبھی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔

اب وہ رحلت فرما گئے ہیں اور اُنہوں نے اپنے پیچھے جو خلاء چھوڑا ہے اُس سے آپ سب کی زندگیاں اور میری زندگی ہی متاثر نہیں ہوئی ہے بلکہ پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی ہر جگہ جماعت پر اس کا اثر پڑا ہے۔

حضرت صاحب کی علالت ان کیلئے مسلسل دکھ اور ملال کا موجب رہی اسکی وجہ سے اُن کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آپڑا اور بسا اوقات انہیں پریشان کُن اور بہت کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس بار عظیم اور مشکلات ومصائب کو بڑی سنجیدگی و وقار، کامل وفاداری، اور بڑی جواں ہمتی اور مستقل مزاجی سے اٹھایا۔ ہر لمحہ انہوں نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ اور اُسکے دین کی راہ میں وقف کئے رکھا اور اس راہ میں کئی موتیں اپنے پر وارد کیں۔ اُن کی جسمانی وفات اُن کیلئے اُس کمر جھکا دینے والے بوجھ سے جسے انہوں نے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر لائے بغیر بطیب خاطر دن اور رات اٹھائے رکھا خوش آئند رہائی کا درجہ رکھتی ہے۔ خواہ دل نے کتنے ہی آنسو بہائے ہوں اور وہ کتنا ہی خون ہو ہو گیا ہو اُن کی زبان سے اپنے خالق ومالک کیلئے محبت، اطاعت، وفاداری، تسلیم ورضا، اور تحمید وتمجید کے الفاظ کے سوا کبھی کوئی لفظ نہیں نکلا۔ وہ ہم سب کے لئے ایک عظیم الشان اور درخشندہ وتابندہ اُسوہ تھے۔"

میرے لئے یہ امر قدرے اطمینان کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور میرے بھائی بہنوں کو بھی اپنے اپنے رنگ میں ابا جان کی خدمت کی توفیق بخشی۔ میری کسی خدمت کی توفیق میں سب سے بڑا حصہ اور دخل میری بیوی امۃ القیوم بیگم دختر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ہے جنہوں نے ہر موقع پر خود تکلیف اٹھا کر ابا جان اور والدہ کی بڑے شوق اور محبت سے خدمت کی میرا دل ان کے لئے شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔ ابا جان کی ایک امانت ہمارے سپرد ہے دوست جہاں ہم سب کے لئے اور دینی و دنیاوی امور کے لئے دعا فرماویں وہاں یہ بھی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدہ محترمہ کی ایسی خدمت کی توفیق بخشے کہ وہ ہماری کسی حرکت سے غمگین نہ ہوں اور ابا جان کی بے مثال تیمارداری کی کمی کو کسی رنگ میں محسوس نہ کریں۔ خاکسار

مرزا مظفر احمد

سوزِ غم!

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے آخری دیدار کے تاثرات

مکرم سعید احمد صاحب اعجاز آنرز۔ لاہور

دل پہ وہ چوٹ لگی ہے کہ دکھا بھی نہ سکوں
اور چاہوں کہ چھپاؤں تو چھپا بھی نہ سکوں

آشنا غیر نہیں اپنے غمِ پنہاں سے
ضبط کر بھی نہ سکوں اشک بہا بھی نہ سکوں

سوگواروں میں پھروں غم کو چھپائے کب تک؟
اُن کی سُن بھی نہ سکوں اپنی سُنا بھی نہ سکوں!

شرطِ پابندیٔ آداب کہ ماتم نہ کروں
کھل کے رو بھی نہ سکوں ہائے رُلا بھی نہ سکوں

آہ وہ نالہ جسے ضبط نے محبوس کیا
ہائے وہ اشک کہ آنکھوں سے گرا بھی نہ سکوں!

دم بخود دیکھتا رہ جاؤں ترے لاشے کو
دم بخود دیکھتا رہ جاؤں بُلا بھی نہ سکوں!

کس قدر کم ہے ترے آخری دیدار کا وقت
تشنگی دیدۂ گریاں کی بُجھا بھی نہ سکوں

رقّت انگیز ہے کتنا تری رحلت کا سماں
یاد رکھ بھی نہ سکوں اور بھلا بھی نہ سکوں!

یہ بھی مقدور نہیں ہے کہ جگا لوں تجھ کو
اپنے ہاتھوں تجھے مرقد میں سُلا بھی نہ سکوں!

قافلہ شوق کا ہے آج کڑی منزل میں
جانا چاہوں جو ترے ساتھ تو جا بھی نہ سکوں!

جیتے جی تجھ سے ملاقات بھی ہے ناممکن
اور صدمہ غمِ ہجراں کا اٹھا بھی نہ سکوں!

جبر کرنا ہی پڑے گا دلِ مضطر پہ مجھے
دلِ مضطر جسے پہلو میں دبا بھی نہ سکوں

عظیم الشان خوبیوں کا جامع وجود

مکرم سیٹھ علی محمد الہ دین صاحب ابن سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب رضی اللہ عنہ
سکندرآباد۔ انڈیا

قبل اس کے کہ عاجز اپنے تاثرات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کچھ بیان کرے میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ واقعی حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کی شخصیت عظیم الشان خوبیوں کی جامع تھی اور حقیقی معنوں میں آپکا وجود مبارک "قمر الانبیاء" کے الہامی خطاب کا مصداق تھا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے ہر احمدی کے دل میں جگہ کر لی تھی۔

میں یہ اپنی خوش قسمتی تصوّر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عاجز کو ۱۹۱۸ء سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے واقفیت کا شرف بخشا جبکہ حضرت والد محترم رضی اللہ عنہ نے بغرض تعلیم عاجز کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں داخل کرایا۔ اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف میرے لئے بلکہ حضرت والد محترم رضی اللہ عنہ اور ہمارے خاندان کے اکثر افراد کے لئے آپ کا وجود ایک نعمت عظمیٰ رہا جس کے لئے ہم جتنا بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ولایت سے آنے کے بعد یعنی ۱۹۲۸ء سے حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کی تصانیف یکے بعد دیگرے عاجز کے زیر مطالعہ رہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف آپ کی شخصیت کا عاجز کے دل پر گہرا اثر ہوتا رہا بلکہ عاجز کے ایمان میں پختگی اور روحانیت میں بلند پروازی کا شوق پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کے کئی احسانات نے عاجز کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ عاجز کا تعلق آپ سے ایک والہانہ رنگ اختیار کر گیا۔ جب ۲ ستمبر کی صبح دس بجے آپ کے وصال کی الم ناک خبر ملی تو خاکسار پر ایک اضطراری کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی روز عاجز کو آپ کی نماز جنازہ غائب جو احمدیہ مسجد جوبلی ہال میں پڑھی گئی شرکت کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد تعزیتی اجلاس میں حصہ لینے کی بھی توفیق ملی۔ الحمد للہ۔

محترم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ نے خاکسار کو جنوری ۱۹۴۶ء سے جماعتِ احمدیہ سکندرآباد کا خطیب مقرر فرمایا جس کے بعد خود جماعت احمدیہ سکندرآباد نے بھی عاجز کو اپنا خطیب منتخب کیا اور اس فریضہ کو عاجز بفضلہ تعالیٰ اب تک سرانجام دے رہا ہے۔ عاجز ہر جمعہ حضور اقدس کا خطبہ جمعہ سنایا کرتا ہے مگر جب کبھی حضور اقدس کا خطبہ میسر نہ ہوتا تو عاجز حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز تصانیف "تبلیغ ہدایت" "ہمارا خدا" "حقیقی اسلام" "سیرت طیبہ" اور "درِ منثور" وغیرہ سے پڑھ کر اپنے اس فریضہ کو سرانجام دیتا رہا۔ اس کے ذریعہ سے نہ صرف عاجز کا تزکیہ نفس ہوتا رہا بلکہ جماعت کی خدمت کرنے کی بھی توفیق ملتی رہی الحمد للہ۔

ہر شخص کی کوئی نہ کوئی Hobby ہوتی ہے۔ عاجز کو Autograph لینے کا شوق ہے۔ اس سلسلہ میں بفضل خدا علاوہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور دیگر ممبران خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام و بزرگان سلسلہ کے عاجز کو حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کا Autograph حاصل کرنے کی توفیق ملی جو عاجز کے لئے تاحیات مشعل راہ رہے گی۔ میں احباب جماعت کے استفادہ کے لئے اس کو درج ذیل کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

"ہمیشہ توکّل کے مقام پر قائم رہنے کی کوشش کریں اور توکّل کا مقام یہ ہے کہ دین و دنیا کی ترقی اور بہبودی کے جملہ اسباب مہیا کرنے کے باوجود اس بات پر کامل یقین رکھیں کہ یہ اسباب بھی خدا کے پیدا کردہ ہیں اور فلاح و کامیابی کا اصل منبع صرف خدا کی ذات ہے۔ وکان اللہ معک۔

فقط
خاکسار مرزا بشیر احمد
قادیان ۹/۱۲/۴۶"

اس Autograph میں حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں توکّل کا صحیح اسلامی نظریہ پیش فرمایا ہے۔ توکّل کے مسئلہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے سبب سے بہتوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ Autograph میری زندگی کے کئی ادوار میں مشعل راہ رہا ہے۔

حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کے اخلاق کریمہ کا یہ کرشمہ تھا کہ آپ نے ہر احمدی کے دل میں ایک خاص جگہ لے لی اور یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس تعلق سے عاجز اور میری

سیدنا حضرت المصلح الموعود کی تحریک خاص

کے تحت "تاریخ احمدیت" مرتب ہو رہی ہے لہٰذا اس کی اشاعت میں حصہ لینا ہر احمدی کا قومی فرض ہے۔ تاریخ خلافت اولیٰ (زیر طبع) کا ہدیہ (مجلد) صرف آٹھ روپے ہے پیشگی رقم ارسال فرما کر اپنا نسخہ مخصوص فرما لیجئے ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ (ادارۃ المصنفین۔ ربوہ)

اہلیہ اور میرے بچوں کو وافر حصہ ملا چنانچہ جلسہ سالانہ کے موقعوں پر خصوصاً پچھلے سال جلسہ سالانہ ربوہ کے مبارک ایام میں میری اہلیہ اور عزیزہ صدیقہ کو آپ کی ملاقات نصیب ہوئی اور عاجز کو بھی آپ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ۔ اس نعمت سے جذبات اس قدر متاثر تھے کہ عاجز نے گھر پہنچنے کے بعد جو خط آپ کی خدمت مبارک میں تحریر کیا اس کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ میں نے لکھا:۔

"جلسہ کے پہلے روز یعنی ۲۶ دسمبر ۱۹۶۲ء جب آنمکرم Stage پر رونق افروز ہوئے تو آپ کے نورانی چہرہ پر نظر پڑتے ہی عاجز پر رقت کی حالت طاری ہو گئی اور جوں جوں آپ نے حضور اقدس کا روح پرور افتتاحی پیغام حاضرین جلسہ کو پڑھ کر سنایا تو یہ کیفیت بڑھتی گئی اور دل سے دعا نکلتی رہی کہ یا اللہ تو ہمارے پیارے آقا حضور اقدس اور آنمکرم کو کامل صحت کے ساتھ ہمارے سروں پر عرصہ دراز تک سلامت رکھیو۔ جلسہ ربوہ ہیں گو جماعت حضور اقدس کی ذات بابرکت کی شمولیت سے محروم رہی تاہم آنمکرم نے جو باوجود علالت طبع خود بنفس نفیس جلسہ گاہ پر رونق افروز ہوئے اور حضور کا افتتاحی اور اختتامی پیغام سنایا اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ذریعہ آپ کا تحریر شدہ مضمون "ذکر حبیب" سے جماعت کو مستفید فرمایا اور بالآخر ایک لمبی اجتماعی دعا سے کل جماعت کے قلوب کو اپنی نورانی شخصیت سے منور کر دیا یہ تمام برکات ایسی ہیں جن کے لئے ہم اور جملہ افراد جماعت جس قدر بھی خدا تعالےٰ کا شکر کریں کم ہے۔ اللہ تعالےٰ آنمکرم کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور اپنے فضلوں سے مالا مال کرے اور ہمارے پیارے آقا جو ایک عرصہ سے علیل ہیں ان کو اپنی غیبی قدرت سے کامل صحت عطا کر کے ہمارے سروں پر عرصہ دراز تک سلامت رکھے اور آپ ہر دو مقدس ہستیوں سے ہمیں کما حقہ مستفید ہوتے رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔"

احباب جماعت اور جملہ سامعین کو کیا معلوم تھا کہ یہ آپ کا آخری جلسہ ہے اور یہ مبارک ہستی صرف چند ماہ اور ہم میں رہے گی اور ہم سب آپ کی صحبت و قیادت اور برکات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے۔

آپ ایک عرصہ دراز سے اپنی قیمتی دعاؤں اور مشوروں سے ہماری مدد اور رہنمائی فرماتے رہے۔ اللہ تعالےٰ ہی آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آپ کا مبارک وجود

حضرت والد محترم اور آپ کے خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھا اس لئے ہمارے دلوں کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا کرے اور آپ کے جملہ پسماندگان کو صبر عطا کرے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر عمل کرنے کی توفیق دے اور آپ کی برکات کا ہم کو وارث بنائے۔ آمین۔

حضرت میاں صاحبؓ کے وصال کے بعد بھی ہمارے اندر ایک ایسی ہستی موجود ہے جس کی ہم جتنی بھی قدر کریں کم ہے اور وہ ہستی ہمارے پیارے آقا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی ہے جن کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے "ایک مبارک تحریک" کے عنوان سے احباب کی توجہ دعا کی طرف مبذول کی تھی اور جس میں ہزاروں مخلصین جماعت نے شرکت کر کے اپنی

عقیدت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالےٰ سے ہم سب کی دعا ہے کہ ہمارے پیارے آقا کا مبارک وجود بمعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بمعہ دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمارے سروں پر تندرستی کے ساتھ عرصہ دراز تک قائم رکھے اور تا قیامت اپنے فضلوں اور برکتوں کی بارش ان سب پر برساتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

پاکستان ویسٹرن ریلوے

ٹنڈر نوٹس

چیف کنٹرولر آف پرچیز پی ڈبلیو ریلوے ایمپریس روڈ لاہور کو ذیل کے ٹنڈروں کے لئے کوٹیشنیں مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	ٹنڈر نمبر معہ سٹورز کی مختصر تعداد و تفصیل کے	ٹنڈر فارم کی قیمت معہ خرچہ ڈاک (ناقابل واپسی)	ڈرائنگز سپیسی فکیشنز (اگر ضرورت) درخواست دینے پر دفتر زیر دستخطی سے مذکورہ ذیل قیمت کے عوض دستیاب ہو سکتے ہیں	تاریخ فروخت	مطلوبہ تاریخ و وقت	کھلنے کی تاریخ و وقت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۔	۶۳-۳/۳۳۳/۸ P سل کاسٹک سوڈا کاربن ٹائپ کے لئے اشیاء الف بی سی۔۳ مکمل (۶ آئیٹم) = ۸۲۰۷ عدد	۱۵/- روپے	×	۱۹ر نومبر ۶۳ء تا ۱۸ر دسمبر ۶۳ء	۱۹ر دسمبر ۶۳ء ۸ بجے	۱۹ر دسمبر ۶۳ء ۹ بجے
۲۔	۶۳-۵۷/۲۵۱/۶ P بجلی اور تیل کے انجن سے چلنے والے ڈی ڈبلیو۔ ٹی۔ پمپنگ پلانٹ = ۹ عدد اور ۵ سیٹ	۱۵/- روپے	۱۲/- روپے	۲۰ر نومبر ۶۳ء تا ۱۱ر دسمبر ۶۳ء	۱۲ر دسمبر ۶۳ء ۸ بجے	۱۲ر دسمبر ۶۳ء ۹ بجے
۳۔	۶۳-۱/A-۳۱۰/۵ P کیلیم کاربائڈ	۱۵/- روپے	×	۲۳ر نومبر ۶۳ء تا ۲۳ر دسمبر ۶۳ء	۲۴ر دسمبر ۶۳ء ۸ بجے	۲۴ر دسمبر ۶۳ء ۹ بجے
۴۔	۶۳-۳/۳۱۷/۵ P (i) ڈائیزوڈیلائن سینیٹائزڈ پیپر ایکسٹرا ہیڈ برائے سیمی ویٹ پراسس ۴۰" × ۱۰ گز = ۲۸۸۰ رول (ii) آئٹم نمبر (i) کیلئے ڈویلپر = ۶۴ بوتلیں	۱۰/- روپے	×	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۵۔	۶۳/۳/۱/SP/۲۱/۱D P مختلف اقسام کے کاغذ = ۱۹۰۳۷ شیٹ اور ۴۲۸ رول	۱۰/- روپے	×	۲۵ر نومبر ۶۳ء تا ۲۴ر دسمبر ۶۳ء	۲۶ر دسمبر ۶۳ء ۸ بجے	۲۶ر دسمبر ۶۳ء ۹ بجے
۶۔	۶۳-۳/۳۸۴/۵ P STA-PA500cc سلوشن معہ پرفیوژن کٹ = ۱۰۰۰ ابوتل	۱۰/- روپے	×	۲۵ر نومبر ۶۳ء تا ۲۴ر دسمبر ۶۳ء	۲۶ر دسمبر ۶۳ء ۸ بجے	۲۶ر دسمبر ۶۳ء ۹ بجے

۲۔ ٹنڈر فارم (ناقابل واپسی) دفتر زیر دستخطی اور دفتر ڈسٹرکٹ کنٹرولر آف سٹورز (انسپکشن) پی۔ ڈبلیو ریلوے کراچی کینٹ سے تمام ایام کار میں ماسوائے جمعہ ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک مذکورہ قیمت کے عوض نقد یا بذریعہ منی آرڈر ادائیگی پر دستیاب ہو سکتے ہیں۔ پوسٹل آرڈر، چیک، بنک ڈرافٹ، گارنٹی بانڈ، بنک ڈیپازٹ رسیدیں اور نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹس مذکورہ ٹنڈر فارموں کی قیمت کے طور پر قبول نہ ہوں گے۔ صرف مذکورہ ٹنڈر فارموں پر آنے والی پیشکشوں پر ہی غور ہوگا۔ ٹنڈر حاضر آمدہ ٹنڈر دہندگان کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

۳۔ اس سلسلے میں کوئی ٹنڈر انکوائری یا رقم زیر دستخطی کے نام ہرگز نہ بھیجی جائے۔

اے حمید پی آر ایس

چیف کنٹرولر آف پرچیز